© rasailojaraid.com

قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ

از

(از جناب مولنا عبدالماجد بی اے دریابادی)

اس مرتبہ "اشارات" لکھے جاچکے تھے کہ "سچ" کا خاص نمبر وصول ہوا جس میں مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے قرآن مجید کے ایک مستند انگریزی ترجمہ اور تفسیر کی ضرورت ظاہر کرتے ہوئے اپنی ان کوششوں کا ذکر فرمایا ہے جو اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے انہوں نے شروع کی ہیں، اور ان ضروریات کو بھی بیان کر دیا ہے جن کا پورا ہونا اس کام کے لئے ضروری ہے ہم اس مضمون کو ناظرین ترجمان القرآن کی واقفیت کے لئے یہاں نقل کرتے ہیں۔ یہ مسلم ہے کہ نہ صرف انگریزی دان غیر مسلموں کو بلکہ خود مسلمانوں کی جدید تعلیمیافتہ جماعت کے ایک بڑے گروہ کو بھی اسلام کی صحیح واقفیت بہم پہونچانے کے لئے انگریزی زبان میں ایک صحیح اور مستند ترجمہ و تفسیر قرآن کی سخت ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی مسلم ہے کہ اس وقت ہمارے جدید تعلیمیافتہ گروہ میں اگر کوئی شخص اس خدمت کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہے تو وہ مولنا عبدالماجد دریابادی ہیں۔ اس لئے کہ وہ قریب قریب ان تمام منزلوں سے گذر چکے ہیں جن میں آج کل کے مغربی تعلیمیافتہ حضرات عموماً بھٹکا کرتے ہیں۔ ان کو وہ تمام راستے معلوم ہیں جن سے شک اور الحاد دماغوں میں داخل ہوتا ہے۔ اور خدا کے فضل سے ان کے پاس وہ اسلحہ بھی موجود ہیں جن سے موجودہ دور کے الحاد و تشکیک کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ ایسے موزوں شخص کے مل جانے کے بعد یہ سوال تو حل ہو گیا کہ کام کرنے والا کون ہے؟ اب صرف یہ سوال باقی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہ جاتا ہے کہ کام کرنے کے ذرایع کہاں سے مہیا ہوں؟ اس دوسرے سوال کا حل صرف مسلمانوں کے جذبۂ خدمت دین پر موقوف ہے۔ اگر ضرورت کا صحیح احساس اور خدمت کا سچا جذبہ موجود ہو تو یہ قوم کم از کم اتنی گئی گذری نہیں ہے کہ چند ہزار روپے کی کتابیں بھی فاضل مترجم کو مہیا نہ کرسکے

ایڈیٹر

کلام مجید کا کوئی ترجمہ انگریزی میں کچھ یہ نہیں ہے کہ سرے سے موجود ہی نہ ہو۔ ایک چھوڑ کئی کئی ترجمے موجود ہیں غیروں کے کئے ہوئے بھی اور اپنوں کے قلم سے بھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ معرّیٰ بھی اور محشی بھی۔ ان سب میں سے قدیم ترجمہ پادری جارج سیل کا ہے، جو اٹھارویں صدی کا انسان تھا۔ اس بیچارے کی عربی استعداد غالباً کچھ یوں ہی سی تھی۔ اس لئے غلطیاں بکثرت رہ گئیں۔ اور کہیں کہیں جھلک تعصب و عناد کی بھی نظر آجاتی ہے۔ تاہم نقش اول کے لحاظ سے اس کا ترجمہ قابل قدر، اور متن و حواشی دونوں میں اس کی محنت قابل داد ہے اور ترجمہ سے قبل اس کا مبسوط مقدمہ تو مفید ترین معلومات سے لبریز ہے جس سے آج بھی بے نیازی نہیں برتی جاسکتی۔ ترجمہ کی زبان امتداد زمانہ سے بہت پرانی ہوگئی ہے۔ اور بہتیرے الفاظ متروک ہے۔

سیل کے بہت عرصے کے بعد انیسویں صدی کے ثلث آخر میں، دوسرا انگریزی ترجمہ پادری جے، ایم راڈویل کا شائع ہوا۔ ان حضرت نے ترجمہ بڑے دعوی کے ساتھ کیا، اور جہاں تک زبان کا تعلق ہے، راڈویل کی زبان سیل سے بے شبہ کہیں زیادہ شگفتہ و رواں ہے لیکن نافہمی کی بنا پر اس کے اغلاط کا شمار بھی سیل سے کم نہیں، اور تعصب و عناد کا تو یہ شخص پتلا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق خبث نفس کا اظہار اپنے مختصر حواشی میں اس دریدہ دہنی کے ساتھ کرتا گیا ہے کہ مسلمان کے لئے ان کا مطالعہ سخت صبر آزما بن گیا ہے۔ ایک جدت آپ نے یہ فرمائی ہے کہ قرآن پاک کی ترتیب بدل دی ہے، اور اپنے خیال و پندار کے مطابق سورتوں کو ان کی ترتیب نزولی کے اعتبار سے مرتب کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تیسرا ترجمہ ۱۸۸۰ء میں ایک انگریز ای ایچ پامر کے قلم سے نکلا ہے جو شام و عرب وغیرہ میں ایک مدت تک اہلِ زبان کے ساتھ رہ چکے تھے، اور کیمبرج یونیورسٹی میں عربی کے معلم بھی تھے۔ ایک عربی گرامر کے بھی مصنف ہیں توقع تھی کہ یہ ترجمہ، کم از کم فہمِ زبانِ قرآنی کے اعتبار سے تو محققانہ ہوگا لیکن خلاف توقع اس ترجمہ میں بھی گو سیل ورا ڈویل سے کمتر، پھر بھی خاصی تعداد میں نافہمی کی مثالیں موجود ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ایک تو مترجم نے کام کی اہمیت کے مناسب وقت نہ دیا، چلتا ہوا کام سمجھ کر محض سرسری طور پر کر دیا۔ دوسرے یہ کہ احکم الحاکمین کے کلام کو محض ایک بدوی عرب کا کلام سمجھا، اور ترجمہ بالکل اس انداز سے کیا، کہ گویا کسی بدوی کے خطبات کو وہ انگریزی میں منتقل کر رہا ہے! پھر حواشی بھی اس ترجمہ میں برائے نام ہیں۔ البتہ پہلے ایڈیشن میں مترجم کا ایک مبسوط مقدمہ ہے، جو دوسرے اور ارزاں ایڈیشن میں نکال دیا گیا، اور بجائے اس کے پروفیسر نکلسن کے قلم کا ایک دلآزا مختصر مقدمہ شامل کر دیا گیا ہے۔

یہ تینوں ترجمے ان افراد کے قلم سے تھے، جو قرآن کے کلامِ آلٰہی ہونے کے منکرین ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسوں کے ذہن پر کلام مجید کیسے کھل سکتا تھا؟ غیرت خداوندی کیونکر اسے گوارا کر سکتی ہے، کہ انوار قرآنی کو سیاہ سینوں کے اندر جگہ ملے؟ ان تین مکمل ترجموں کے علاوہ ایک ترجمہ بعض اجزائے قرآنی کا، لیین کا بھی کیا ہوا ہے، جو اس وقت نایاب ہے۔ لیین عربی زبان کا مشہور ماہر اور مستند لغوی تھا۔ مد القاموس اسی کی تصنیف ہے۔ اس کا ترجمہ بڑی تلاش کے بعد بھی، اب تک کہیں نہ مل سکا۔ لیکن لیین کی شخصیت سے توقع یہ ہوتی ہے، کہ یہ ترجمہ، کم از کم نحوی و لغوی نافہمیوں سے تو ضرور محفوظ ہوگا۔

مسلمان مترجموں میں تبرکاً سب سے پہلا نام زبان پر ڈاکٹر عبد الحکیم خاں مرحوم پٹیالوی کا آتا ہے ترجمہ جیسا بھی کچھ ہو، بہرحال مترجم کو سب سے پہلی کوشش کا اجر ضرور ملے گا، اور ان کے السابقون الاولون میں شامل ہونے کے فخر کو کوئی نہیں چھین سکتا۔ ان کے بعد ایک ترجمہ، تین مختصر جلدوں میں، مرزا حیرت دہلوی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نام سے ملتا ہے۔ اس میں حواشی برائے نام ہیں اور ترجمہ ابتدائی کوشش کے لحاظ سے غنیمت ہے۔ حافظ غلام سرور (جج ہائیکورٹ پٹنا) کا تازہ ترین ترجمہ محاسن ظاہری کے لحاظ سے قابل داد ہے لیکن حواشی سے بالکل معرّیٰ جس کے باعث بہت سے مقامات اجنبیوں کے لیئے نا قابل فہم رہ گئے ہیں۔ اور جہاں تک نفس ترجمہ کا تعلق ہے افسوس ہے کہ اس میں بھی مترجم صاحب ترجمہ کی زبان کو ادیبانہ وشاعرانہ بنانے کی سعی میں، الفاظ قرآنی سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ اور اُنکا ترجمہ بجائے اس کے کہ ایک سنجیدہ دینی ضرورت کو پورا کرے، گستاخی معاف، کچھ ایک ادبی تکلف کی سی چیز بن کر رہ گیا ہے۔

غالباً ۱۳۱۸ھ؁ ۱۹۰۱ء میں حیدرآباد میں نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی مرحوم نے، بڑے سازوسامان کے ساتھ ترجمہ کا ارادہ فرمایا۔ نواب صاحب گو خاندانی شیعہ تھے لیکن اپنے ذاتی عقاید کے لحاظ سے نیم سنی ضرور تھے، عربی و انگریزی دونوں کے ادیب تھے، گو علوم دینیہ کے ماہر نہ تھے نصف قرآن سے کچھ زائد کر چکے تھے، کہ مولٰنا حمید الدین فراہیؒ سے ربط و ضبط بڑھا۔ مولاناؒ (صاحب نظم القرآن عربی) اس دور میں قرآن فہمی کے لحاظ سے دنیائے اسلام میں اپنی نظیر بس آپ ہی تھے۔ مولاناؒ کے مشورہ سے نواب صاحب نے اپنے ترجمہ کی نظر ثانی شروع کی مسودہ شاید سورۂ طٰہٰ تک پہونچا تھا کہ نواب صاحب کی خرابی صحت نے کام روک دیا۔ اور پھر دونوں صاحبوں کا انتقال ہو گیا۔ اتنے اجزاء کے چند نسخے نواب صاحب نے اپنے خاص احباب سے مشورہ کے لیے طبع کرائے تھے، عام اشاعت کسی ایک جزو کی بھی نہ ہو سکی۔ یہ ترجمہ بڑی احتیاط سے کیا ہوا ہے، اور زبان کے لحاظ سے بھی اس کا معیار بہت بلند ہے۔ کاش اس کی تکمیل ہو گئی ہوتی! نا مکمل رہ جانے سے قطع نظر دو بڑی کوتاہیاں اس قابل قدر ترجمہ میں بھی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ نرا ترجمہ ہی ترجمہ ہے، کوئی حاشیہ برائے نام بھی نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کی انگریزی وہ ٹھیٹھ انجیلی انگریزی ہے، جو ۱۶۱۱ء؁ سے بائبل کی زبان چلی آتی ہے۔ اردو میں اگر کوئی اس بیسویں صدی کے وسط میں، میر تقی میر کی زبان میں اشعار کہنا شروع کر دے، تو کتنے اس کے سمجھنے والے اور قدر کرنے والے نکلیں گے؟ اہل قادیان نے اپنے غالباً یہ رنگ میں، ایک پارہ کا، مدرسۃ الواعظین (شیعہ) لکھنؤ نے بھی ایک پارہ کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور الٰہ آباد کے ایک صاحب نے اپنے "مجتہدانہ" رنگ میں شاید سارے قرآن کا ترجمہ کر ڈالا ہے۔ ان تراجم پر کسی تفصیلی تبصرہ کی نہ ضرورت نہ گنجایش۔

حقیقۃً قابل ذکر انگریزی ترجمے صرف دو ہیں۔ ان میں سے ایک مولوی محمد علی لاہوری ایم اے (امیر جماعت احمدیہ مرزائیہ) کا ترجمہ دی ہولی قرآن ہے، اس کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا، دو قسم کے کاغذوں پر مع متن قرآن، ایک مفصل مقدمہ اور مفصل حواشی کے، نفاست کاغذ وطباعت کے اعلیٰ لوازم کے ساتھ نکلا تھا، اور دوسرا بلا متن، اُس سے چھوٹی تقطیع پر، محاسن ظاہری کی انھیں خصوصیات کے ساتھ، ابھی سال دو سال ہوئے نکلا ہے۔ یورپ اور خود ہندوستان کا انگریزی نما طبقہ، جس ترجمہ سے سب سے زیادہ متاثر ہوا ہے، اور جوان کے درمیان سب سے زیادہ پھیلا ہے وہ یہی ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ سے متعلق ایک خالص انگریزی خواں دوست کی رائے ملاحظہ ہو، جو ماشاء اللہ اپنے عقائد میں بالکل اہل سنت کے ہم مسلک ہیں:۔

میں چونکہ ایک انگریزی خواں فضا میں رہتا ہوں، جہاں خواب بھی آئے تو انگریزی میں اس لئے انگریزی خواں طبقہ کی نبض کچھ پہچانتا ہوں حقیقت یہ ہے کہ انگریزی داں طبقہ خواہ عقائد کے لحاظ سے اہل سنت ہو یا آزاد خیال، کچھ اس کی افتاد اس قسم کی پڑ چکی ہے کہ وہ اب منقولات کے بجائے معقولات سے زیادہ مطمئن ہوتا ہے۔ محمد علی اپنی تفسیر میں قرآن سے اگرچہ بہت دور جا پڑے ہیں، لیکن وہ زمانہ شناس بہت واقع ہوئے ہیں، انہوں نے ہر چیز کو بالکل زمانہ کے موافق پیش کر دیا ہے، خواہ حقیقت کا اس میں شائبہ بھی نہ ہو، نتیجہ یہ کہ جس جماعت میں یہ قرآن پہونچا، وہ چونکہ قرآن سے قطعاً نابلد تھی، اس لئے اس کے اغلاط و اہمال کی تحقیق تو نہ کر سکی، لیکن چونکہ باتیں تھیں دل لگتی ہوئی، اس لئے سمجھ بیٹھی، کہ اسلام یہی ہو سکتا ہے۔ یہ ہے وہ زہر جو اس جماعت میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھیلایا گیا ہے۔ اور اسی زہر کا تریاق اب درکار ہے، جس کی شکل یہی ہو سکتی ہے، کہ صحیح قرآن و اسلام کو اسی شرح و بسط سے پیش کیا جائے جس صراحت سے غلط اسلام کی اشاعت ہو چکی ہے"۔ (مکتوب مورخہ مارچ ۱۹۴۳ء)۔

تشخیص صحیح ہے مولوی محمد علی صاحب کے ترجمہ کی خوبیوں سے، اس کے اثرات سے، اس کی تبلیغی کامیابیوں سے انکار کرنا آفتاب کی روشنی سے انکار کرنا ہے صدہا ہزارہا بیگانوں کو یگانہ بنانے، صدہا ہزارہا منکروں کو اسلام سے قریب لانے میں وہ یقیناً معین ہوا ہے۔ خود اپنے متعلق میں یہ اعتراف بمسرت کرتا ہوں کہ آج سے پندرہ سولہ سال پیشتر جب میں الحاد و ارتیاب کی تاریکیوں میں بھٹک رہا تھا، اس وقت گنتی کی دو چار کتابیں جو مجھے اسلام سے قریب لانے میں معین ہوئی تھیں، ان میں سے ایک یہی ترجمہ قرآن تھا۔ مترجم کے ہمنام مولانا محمد علی (مدیر کامریڈ) بھی اس سے بہت متاثر تھے، اور اس کی تعریف ہی کیا کرتے تھے لیکن ان سارے اعترافات کے ساتھ یہ بھی مجبوراً کہنا پڑتا ہے، کہ

۱۔ ترجمہ و تفسیر میں اسلام کی حقیقی تصویر پیش نہیں ہو سکی ہے۔ مترجم بدنام اپنی قادیانیت کے لئے ہیں لیکن ترجمہ و تفسیر میں 'قادیانیت' سے کہیں زائد غالب 'نیچریت' ہے، معجزات وغیرہ کے باب میں تقریباً تمامتر سید احمد خانی خیالات کی ترجمانی ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ مریض اگر کڑوی دوا سے منہ بناتا ہے تو کنین کی گولی پر شکر خوب لپیٹ دینی چاہئے لیکن یہ تو نہ ہو کہ اس میں مبالغہ کرتے کرتے کنین سرے سے غائب ہو جائے، اور بخار کے مریض کو خالی شکر پھنکائی جاتی رہے! جدید خیالات کی مطابقت میں مترجم کو ضعیف سے ضعیف بھی جو تاویل مل گئی ہے بس اس کو بے تکلف اختیار کر لیا گیا ہے، اور لغت، نحو، حدیث، سیاق قرآنی، اجماع اکابر امت کسی شے کی اس کے مقابلہ میں پروا نہیں کی گئی ہے۔

۲۔ شبہات جدیدہ کے جوابات دینے کی ایک خاصی حد تک کوشش کی گئی ہے، پھر بھی وہ حد بہت ناکافی ہے، اور مزید کوششوں کی ضرورت پوری طرح باقی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ جا بجا فہم مطالب قرآنی میں بھی غالباً زیادہ وقت نہ دے سکنے کے باعث، لغزشیں ہوگئی ہیں۔ مثلاً آیہ مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ وَالْمُشْرِکِیْنَ ان ینزل الخ میں نا فہم انگریز مترجمین کی طرح المشرکین (مجرور)، کا عطف الذین کفروا پر کر دیا ہے، جو صریحاً اہل الکتاب پر ہونا چاہیئے تھا۔ وقس علیٰ ہذا۔

۴۔ زبان کا معیار بھی ہر جگہ زیادہ بلند نہیں۔ اور نہ حوالے ہر جگہ پوری طرح قابل اعتماد ہیں۔

دوسرا قابل ذکر ترجمہ نومسلم انگریز مارماڈیوک پکتھال صاحب کا ہے۔ پکتھال صاحب انگریز ہی نہیں بلکہ اپنی زبان کے ایک کہنہ مشق انشاپرداز بھی ہیں اس لئے زبان کے اعتبار سے ان کے ترجمہ کا کیا پوچھنا بے اختیار یہ جی چاہتا ہے کہ بار بار اسے پڑھے جائیے۔ اور لطف لئے جائیے۔ اتنی بہتر زبان تو ہم لوگ سالہا سال کی سعی و محنت کے بعد بھی نہیں پا سکتے۔ لیکن افسوس ہے کہ صحت مطالب کے اعتبار سے اس کا معیار خاصہ پست ہے۔ موٹی موٹی غلطیاں صرف پہلے پارہ میں ۱۵-۲۰ کی تعداد میں ہونگی۔ جن میں سے بعض اس قدر کھلی ہوئی ہیں کہ بجز اتفاقی سہو نظر کے اور کسی سبب پر محمول ہی نہیں کیا جا سکتا۔ پھر حواشی بھی اس ترجمہ میں بمنزلہ صفر کے ہیں۔ بحیثیت مجموعی یہ ترجمہ صرف اس قابل ہے کہ کوئی دوسرا مترجم اس کو زمین اور اصل قرار دے کر اسی پر اپنی محنت و تحقیق کے لحاظ سے ایک نئی عمارت تعمیر کرے۔

موجودہ تراجم کے اس اجمالی تذکرے سے ان کا ناکافی ہونا واضح ہوگیا، گو بعض ترجمے بجائے خود اپنے اپنے حدود کے اندر کیسے ہی نافع رہے ہوں۔ اب ضرورت اس کی ہے کہ ایک ترجمہ ایسا شائع کیا جائے، جو ایک طرف جمہور اہل سنت کے عقائد کا ترجمان ہو، مسائل میں قطع و برید کرنے والا نہ ہو، اور دوسری طرف ٹھیٹھ مودیانہ بھی نہ ہو۔ اس کی تشریحات ایسی نہ ہوں کہ پڑھنے والے کو جزئیات ہی میں الجھا دیں۔ جو ذہنیت یورپ کی اور یورپ سے تعلیم پائے ہوؤں کی ہے، اس کی رعایت حواشی میں خاص طور پر ملحوظ رہے، اور ترجمہ و تفسیر اس انداز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی جائے کہ جدید شبہات حتی الامکان پیدا ہی نہ ہونے پائیں، ساتھ ہی زبان درست ہو، اور کاغذ، جلد، طباعت وغیرہ کی دیدہ زیبی یوروپی مطبوعات کے معیار پر ہو۔

اس ضرورت کا احساس عرصۂ دراز سے تھا، لیکن سوال ہمیشہ یہی رہا کیا، کہ **کون** اس ضرورت کو پورا کرے؟ کام اپنی اہمیت و وسعت کے لحاظ سے افراد کے نہیں، جماعت کے کرنے کا تھا۔ بائیبل کے ترجمے مغربی زبانوں میں جماعتوں اور مجلسوں ہی نے کئے ہیں۔ اور جب کبھی ان ترجموں کی نظرثانی و ترمیم کی ضرورت محسوس ہوئی تو یہ فرض بھی کسی فرد نے، خواہ وہ مذہبی، علمی حیثیت سے کیسا ہی بلند پایہ ہو، نہیں بلکہ بڑی بڑی ذمہ دار جماعتوں ہی انجام دیا ہے ——— یہاں جماعتوں اور مجلسوں کا کیا ذکر، افراد و اشخاص ہی کا وجود عنقا!

ابھی چند ماہ کا ذکر ہے، کہ اس فرض کا احساس، ایک عامی و بے علم ننگِ اسلام و ننگِ خلائق پر دفعۃً اس شدت سے مستولی ہوا، کہ اختیار اور اضطرار میں تمیز کرنا مشکل ہوگیا۔ دل نے کہا کہ آدمی جب دریا میں ڈوبنے لگتا ہے، تو کیا بے اختیار اپنے ہاتھ پیر مارنا نہیں شروع کر دیتا؟ کیا وہ وقت اس کے انتظار کا ہوتا ہے، کہ پہلے پیرنے کے فن کو باضابطہ کسی ماہر سے سیکھ لیا جائے، اور اس کے بعد ہاتھ پیر چلائے جائیں؟ جب گھر میں آگ لگتی ہے، تو کیا گھر والے فائر برگیڈ کے انتظار میں ہاتھ پیر توڑے بیٹھے رہتے ہیں یا مضطر ہوکر دوڑ پڑتے ہیں اور جو جس سے بن پڑتا ہے، اس کوشش میں لگ جاتے ہیں؟ کوئی عزیز اگر جنگل بیابان میں سخت علیل ہو جائے، تو عزیزوں کے دل سے تو یہ نہ ہوگا، کہ کلکتہ اور بمبئی کے ڈاکٹروں اور لکھنو اور دہلی کے طبیبوں کے انتظار میں صبر کئے بیٹھے ہیں، بڑی بھلی تدبیر جو بھی بن پڑے گی بے تحاشہ فوراً شروع کر دیں گے ——— صرف عمر محدود زندگی کا بیشتر حصہ غفلتوں اور تباہ کاریوں کی نذر ہو چکا۔ اللہ پاک کے کلام کی خدمت کسی ادنیٰ درجہ میں بھی اگر مقبول ہوگئی، تو دنیا تو خیر جیسی گذری، گزری، عقبیٰ میں تو انشاء اللہ یکسر محرومی نہ رہے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی طرف نظر گئی، تو عقل مسکرائی، اور جسارت خود دنگ ہو کر رہ گئی علمی استعداد، انگریزی میں بالکل مبتدیوں جیسی۔ عربی میں مبتدیوں سے بھی کمتر رہا تقویٰ و طہارت، سو ان الفاظ کے معانی سے تو کبھی دور کا بھی رشتہ نہیں رہا! اس بے بضاعتی پر یہ حوصلے! اس بے مائگی پر یہ ولولے! سنتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب بازار مصر میں فروخت ہونے کو آئے ہیں، تو ایک سیدھی سادھی ضعیفہ اپنے سوت کی پڑیاں لیکر انھیں خرید کرنے کو نکلی تھیں! چودھویں صدی ہجری کے وسط میں وہی روح ایک نئے قالب میں نمودار ہوئی! تاریخ کا اپنے آپ کو دوہرانا آخر کہتے کس کو ہیں؟ ان ضعیفہ کی سادہ دلی اگر تبسم کی مستحق تھی، تو یہ جسارت قہقہہ کے قابل! —— لیکن پھر یاد پڑا، کہ جن کا کلام ہے، وہ جب کوئی کام کیا چاہتے ہیں، تو آلہ کار کے ضعف و قوت کی پرواہی کب کرتے ہیں؟ کیا نمرود کی روایت سننے میں نہیں آئی، کہ ایک مچھر کو اس پر مسلط کر دیا گیا۔ کیا صاحب فیل ابرہہ کا واقعہ تاریخ میں نہیں گذر چکا ہے، کہ اس کے سارے لشکر اور ہاتھیوں کے غول کے لئے چند بے لباط چڑیاں اور ان کے ننھے پنجوں کی کنکریاں کافی ہوگئیں؟ کیا بڑے بڑے سانسدانوں کا یہ متفقہ مشاہدہ نہیں ہے کہ بڑے بڑے کڑیل جوان روزمرہ، خوردبینی کیڑوں سے۔ طاعون اور ہیضہ کے پردے میں، ہلاک ہوتے رہتے ہیں؟

ہمت بندھی، اور دو تین مخصوص بزرگوں کی دعاؤں اور حوصلہ افزائیوں نے چیونٹی میں عقاب کا حوصلہ پرواز اور گوسفند میں شیر کا دل و جگر پیدا کر دیا ۱۳۴۳ھ ختم ہو رہا تھا، اور ۱۳۵۲ھ کا ماہ رمضان المبارک تھا کہ اللہ کا نام لے کر کام کو ہاتھ لگایا، اور ڈیڑھ دو مہینے میں پہلا پارہ جوں توں ختم ہوگیا لیکن جب نظر ثانی کی نوبت آئی، تو نظر آیا کہ حواشی بہت ناکافی رہے ابتدائی خیال یہ تھا کہ، صرف ترجمہ امکانی صحت کے ساتھ کر دیا جائے، اور حواشی مختصر بھی ہوں، اور صرف وہی ہوں، جہاں بغیر ان کے کسی طرح کام نہ چلے، لیکن کام کا کسی قدر تجربہ ہونے کے بعد، اور انگریزی مترجمین، خصوصاً راڈول کی شرارتوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشاہدہ کے بعد اس رائے پر قائم رہنا ناممکن ہوگیا، اور اس نظر سے جب نظر ثانی کی، تو کام کہنا چاہیے کہ بالکل نیا ہوگیا۔ ان ظالموں نے عجیب عجیب طریقوں سے زہر اگلا ہے، جن کی ہمارے قدیم مفسرین اور قدیم طرز کے علماء کو خبر بھی نہیں۔ اس زہر کا تریاق یوں ہی ہوسکتا ہے کہ حواشی خوب مفصل ہوں، اور مسائل کی تشریح یوں کی جائے، کہ شبہات از خود رفع ہوجائیں، مناظرانہ رد و قدح کی حتی الامکان نوبت ہی نہ آنے پائے ارادہ کرنے کو تو کرلیا گیا، لیکن اس نظریہ پر عمل کوئی آسان چیز ہے؟ اس کے لئے سب سے اہم ضرورت انگریزی کے ایک خاصہ بڑے کتب خانہ کی ہے، جس میں۔

(۱) توریت ہو، انجیل ہو، ان کی مختلف شرحیں اور حواشی ہوں عقاید یہود و نصاریٰ سے متعلق مفصل اور دوسرے مذاہب و ادیان سے متعلق مجمل لیکن مستند معلومات کا ذخیرہ ہو۔ کلام مجید میں ان سب کا ذکر آیا ہے۔ جدید شارح کے لئے لازمی ہے کہ ان سب کے حوالے مخالفین ہی کی مسلمہ کتابوں سے تلاش کرے، ورنہ بجائے معتقد و متاثر ہونے کے موجودہ مخالفین کو قرآن پاک کی مخالفت کا اور زیادہ موقع ہاتھ آجاتا ہے، مثلاً یہود کا یہ عقیدہ کلام مجید میں نقل ہوا ہے کہ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ، بجز چند روز کے ہمیں آتش دوزخ چھوئے گی بھی نہیں۔ آج ایک یہودی جھٹ اس عقیدہ ہی سے انکار کرسکتا ہے، مترجم کی نظر جب تک اصل عقائد یہود اور اُن کے ماخذ پر نہ ہو، وہ بے بس رہے گا۔ توریت و انجیل کے نسخے تو خیر، البتہ ان کی شروح و تفاسیر بڑی بڑی ضخیم ہیں۔ اور اسی لحاظ سے گراں قیمت بھی۔

۲۔ اہل کتاب کی کتب مقدسہ سے قطع نظر، ان اقوام کی تاریخ پر بھی عبور ہونا ضروری ہے۔ بنی اسرائیل کے ذکر میں آتا ہے وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ بنی اسرائیل کی یہ فضیلت دوسری اقوام عالم پر کس لحاظ سے تھی، حکومت کے لحاظ سے وسعت فتوحات کے لحاظ سے جاہ و ثروت کے لحاظ سے، یا دینداری کے لحاظ سے؟ اس قسم کے سوالات کا تشفی بخش جواب اُسی وقت دیا جاسکتا ہے، جب مفسر کی نظر تاریخ اسرائیل پر بھی ہو، اور تاریخ اقوام معاصرین پر بھی۔ تاریخ اسرائیل نیز اُمم سابقہ پر انگریزی میں بکثرت تصانیف موجود ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ تاریخ ہی سی اہم چیز، عہد قدیم کا جغرافیہ بھی ہے۔ کلام پاک میں مختلف مقامات کے نام بکثرت آئے ہیں، جب تک ان مقامات و ممالک کے متعلق صحیح و مستند جغرافی معلومات نہ حاصل ہوں، آیات قرآنی کی تشریح، انگریزی مذاق والوں کے لئے، تشنہ رہے گی، مصر، عرب، شام، فلسطین، عراق (بابل) کم از کم اتنے مقامات کا تو تفصیلی جغرافیہ نظر میں ہونا ہی چاہئے۔ ورنہ یہ پتہ چل سکے گا کہ بنی اسرائیل کے لئے فرق بحر کہاں واقع ہوا تھا، اور نہ یہ کھل سکے گا کہ سبت شکنی کے مجرم یہود کس مقام پر آباد تھے، اور اسی قبیل کے بیسیوں دوسرے مسائل۔

یہودی و مسیحی عقائد۔ نیز ان اقوام کی مفصل تاریخ و جغرافیہ، معاشرت اور اندرونی حالات پر کتب جوامع انگریزی میں نہایت مفصل موجود ہیں مثلاً **Jewish Encyclopaedia** (جیوش انسائیکلوپیڈیا) جو علماء یہود کی لکھی ہوئی یہودیات و اسرائیلیات پر ایک جامع کتاب ۱۲ ضخیم مجلدات میں ہے۔ یا انسائیکلوپیڈیا ببلیکا، متعدد جلدوں میں، یا ڈکشنری آف دی بائیبل چار جلدوں میں، وقس علیٰ ہذا۔ اور ان کے علاوہ عام جوامع، مثلاً انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جو نہایت ضخیم ۲۸ - ۲۹ جلدوں میں ہے۔

۴۔ ان سب کے علاوہ قرآن و اسلام پر مخالفین نے "علم و تحقیق" کے نام سے جو کچھ لکھا ہے، اس پر بھی پیش نظر رہنے کی بھی ضرورت ہے خصوصاً مرشفیلڈ، نولڈیکی، مارگولیس، میور وغیرہم کی تصانیف۔

۵۔ انگریز مستشرقین نے عربی صرف و نحو اور عربی لغت پر انگریزی میں جو کتابیں لکھی ہیں ان کا ذخیرہ بھی سامنے ہونا ضروری ہے۔ عربی صرف و نحو پر انگریزی میں متعدد اور ضخیم کتابیں ہیں۔ ہاول کی عربی انگریزی گرامر، ۷ یا ۸ جلدوں میں ہے، رائٹ کی عربی گرامر دو جلدوں میں۔ وقس علیٰ ہذا۔ عربی سے انگریزی کا لغت، مستند و مفصل صرف ایک ہی ہے۔ اور وہ لین کا (مد القاموس کے نام سے **Lexicon**) ہے جو گویا تاج العروس کا انگریزی خلاصہ ہے طویل و عریض ۸ ضخیم مجلدات میں ہے۔ اور اب کتب فروشوں کے ہاں ملتا بھی نہیں۔ ایک انگریزی لغت صرف الفاظ قرآن پر ہے، وہ متوسط ضخامت کا ایک جلد میں ہے لیکن اب ملنا بھی اس کا دشوار ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اتنے بڑے کتبخانہ کی فراہمی کھلی ہوئی بات ہے کہ مفت ہو جانی ممکن نہیں تخمینی رقم سینکڑوں سے گذر کر ہزاروں تک پہنچتی ہے عقل اس گنج قارون کا نام سن کر سر بگریباں، لیکن دل یہ کہہ رہا ہے، کہ جس نے ارادہ وہمت میں یہ قوت دیدی کیا وہ اس کے انتظام پر بھی قادر نہیں۔ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (وہ انسان کو ایسے ایسے ذرایع سے دیتا ہے، جو انسان کے خیال میں بھی نہیں ہوتے!) آخر اسی کا تو ارشاد ہے۔ ظاہری اسباب کے لحاظ سے اتبک صرف اتنا ہوا ہے کہ ایک باہمت اللہ کے بندے نے لین کا لغت ایک پبلک لائبریری سے نکلوا کر چند ماہ کے لئے مستعار بھیجدیا ہے۔ اور کتابوں کی فراہمی کے لئے بھی لکھنو کے ایک کریم فرمانے وعدہ فرمایا ہے لیکن انکے وعدہ کے ایفا کو کچھ ایسے تاخیر طلب مراحل سے ہو کر گزرنا ہے، کہ تریاق کو عراق سے لانے والی ضرب المثل باد پڑجاتی ہے۔ ع۔

دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک!

حلقہ احباب میں کسی سے بھی خطاب خاص کی ہمت مطلق نہیں۔ اس خطاب عام کے لئے باللہ العظیم دل ہچکچا رہا ہے۔ اتنا بھی جو لکھا جا رہا ہے، بڑے تامل وتذبذب کے بعد، دو ایک مخلصین کی محض تعمیل ارشاد میں۔ بندوں سے امداد کی درخواست، جب ذوالقرنین جیسے ساز وسامان والے کو کرنی پڑی، اور کہنا پڑا کہ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ (میری مدد ہاتھ پیر سے کرو) تو ایک بے برگ ونوا سگ دنیا، احباب کرام سے استغنا رکا دعوی کسی درجہ میں بھی کس منہ سے کرسکتا ہے؟ تاہم بزرگوں کی ایک بات کان میں پڑی ہوئی ہے اسے سب حسن ظن رکھنے والے دوستوں تک پہونچا دینا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ کار خیر میں شرکت کی پہلی شرط طیب خاطر وانشراح قلب ہے طبیعت میں گرانی اور دل پر بار اگر کسی طرح کا بھی محسوس ہو، تو ہرگز قصد شرکت نہ فرمایا جائے۔ اور اس کا تو گمان بھی نہ لانا چاہئے کہ بیچ میں کوئی باقاعدہ فہرست چندے کی کھلے گی، یا نام بنام چندہ دینے والوں کا اعلان کیا جائیگا، یا عطیات کے حساب کتاب کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رجسٹر رکھنے اور بہی کھاتے کھولنے کی مزید مشغولیت مول لی جائے گی۔

جھجھک کی سب سے بڑی وجہ خود اپنے اندر کی کمزوریاں ہیں۔ کام سالہا سال کا ہے۔ زندگی اور صحت کا بھروسہ پل بھر کا نہیں، چہ جائیکہ سالہا سال کے کام کے لئے! پھر بشری ارادہ میں ضعف واضمحلال خدا جانے کتنے مختلف ومتعدد اسباب سے پیدا ہوتا رہتا ہے۔ آیندہ کی پیش بینی کون کر سکتا ہے۔ کسے خبر کل کیا کیا حوادث اور کیسے کیسے اتفاقات پیش آجائیں۔ اگر خدانخواستہ کوئی سوء اتفاق پیش آگیا، تو اس وقت کی ندامت کا کیا ٹھکانا ہو سکتا ہے! شرکت کی اجازت اس لئے بھی صرف اُن حضرات کے لئے ہے جن کا قلب ہر صورت حال کے لئے بخوشی راضی ہو۔

اپریل اور مے کے دو مہینے علالت کی نذر ہوئے، متعدد امراض جمع ہو گئے تھے، جن میں سب سے زیادہ خطرناک ضغطۂ قلب تھا، نیا کام اس دوران میں بالکل رکا رہا، علالت کا اثر اب تک ہے، اور کام بھی بہت سست رفتاری سے ہو رہا ہے۔ پارہ اول نظر ثانی کے بعد ٹائپ ہو چکا ہے، اور ملک کے مختلف اہل رائے حضرات کے پاس مشورہ واصلاح کے لئے گیا ہوا ہے۔ مثلاً مولوی نواب علی صاحب ایم اے (صاحب "صحف سماوی" و "سیرۃ رسول اللہ" وغیرہ) سابق پروفیسر بڑودہ کالج، حال وزیر تعلیمات، ریاست جوناگڈھ۔ پارۂ اوّل کو بعض علماء اہل سنت سے مشورہ کے لئے اردو میں بھی منتقل کر دیا گیا ہے، اور اس کی نقلیں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی مدظلہ، مولٰنا سید سلیمان صاحب ندوی اور مولٰنا مناظر حسن صاحب گیلانی وغیرہم کی خدمت میں روانہ ہو رہی ہیں۔

© rasailojaraid.com